رکھے ہوئے ہیں جس میں اُن کی تعلیمی سرگرمیاں اور مہاجرین سمیت محتاج لوگوں کی امداد زیادہ نمایاں ہے۔ میں اُمید رکھتا ہوں کہ پاکستان اپنے جمہوری نصب العین اور بنیادی آزادیوں کو کبھی ترک نہ کرے گا اور اس کے تمام لوگ تعاون، باہمی اعتماد اور انصاف پر مبنی معاشرے کی تعمیر میں اپنا حصّہ ادا کر سکیں گے۔

جناب سفیر!

میں پُر اعتماد ہوں کہ آپ پاکستان اور بارگاہ رُوما کے درمیان دوستی کے رشتے کو مضبوط کرنے کے لیے اپنی تمام تر ذاتی صلاحیتیں اور سفارتی مہارت بروئے کار لائیں گے۔ اس وقت جب کہ آپ اپنے مشن کا آغاز کر رہے ہیں، میری دلی نیک تمنائیں آپ کے ساتھ ہیں۔ میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ آپ کو اُن افراد سے بھرپور تعاون حاصل رہے گا جو دینی خدمت میں میری مدد کرتے ہیں اور اس لیے وہ بین الاقوامی برادری کی خدمت کے لیے ہمہ تن وقف ہیں۔ خدائے برتر آپ کا حامی و ناصر ہو اور اُس کی رحمتیں تمام پاکستانی عوام پر نچھاور ہوں۔ (دی کرسچن وائس، کراچی - ۷ جنوری ۱۹۹۶ء)

"تارکینِ وطن اور میزبان ممالک دونوں کی اپنی اپنی ذمہ داریاں ہیں۔" —— پوپ جان پال دوم

"تارکینِ وطن کی ذمہ داری ہے کہ وہ جس ملک میں گئے ہیں، اُس کے قانون کا احترام کریں، اسی طرح اُن ممالک کے لوگوں کا فرض ہے کہ وہ اپنے ہاں آنے والے ہر شخص کے انسانی حقوق کا احترام کریں۔" ان خیالات کا اظہار پوپ جان پال دوم نے سینٹ جیمز سکوائر میں ۶ جنوری کو ملاقاتیوں سے خطاب کرتے ہوئے کیا۔

یہ حقیقت ہے کہ لوگ تشدّد، سیاسی جبر یا معاشی مجبوریوں کے باعث ترکِ وطن کر رہے ہیں اور یہ صورت حال "ہمارے عہد کا سب سے زیادہ حیرت انگیز عمل ہے۔" اس عمل سے اکثر معاشروں کے لیے مسائل پیدا ہوئے ہیں، اس لیے میں اِن مسائل سے دوچار حکومتوں کے نام اپنی اپیل دُہرانا چاہتا ہوں کہ وہ انسانی حقوق کا پورا احترام کرتے ہوئے ترکِ وطن کے عمل کو روکیں۔

جناب پوپ نے کہا کہ کسی قوم کے قوانین اور اس کی شناخت کے تحفّظ کا ہرگز یہ مطلب نہیں کہ تمام لوگوں کے ساتھ مساویانہ سلوک نہ ہو۔ قانونی بالادستی اور مساوات ایک دوسرے کی ضد نہیں، بلکہ اُنہیں ایک دوسرے کی تکمیل کرنا چاہیے۔ "اگر کہیں کوئی کوشش قانون کی بالادستی اور مساوات دونوں پر مبنی ہے تو ممکن ہے کہ ترکِ وطن کو میزبان ملک کی خوشحالی اور سلامتی کے لیے خلاف خطرہ نہ سمجھا

جائے، بلکہ اِسے خدائی نشان قرار دیا جائے۔ ایک تہذیبی نشان جس سے ہمیں اِس طرح عہدہ برآ ہونا ہے کہ مساوات اور فرق ساتھ ساتھ موجود ہے۔" (دی کرسچن وائس، کراچی - ۴ فروری ۱۹۹۷ء)

متفرّق

جنوبی ہند کی مسیحی آبادی اور ذات پات

[برصغیر میں مسیحی منادوں کو سب سے زیادہ کامیابی جنوبی ہند میں ہوئی تھی اور بالخصوص نچلی ذاتوں سے تعلق رکھنے والے ہندوؤں میں۔ آج یہ لوگ صدی ڈیڑھ کے بعد کہاں کھڑے ہیں؟ رنجیتا بِسواس کے زیرِ نظر مضمون سے صورتِ حال پر کچھ روشنی پڑتی ہے جسے انگریزی سے اُردو میں منتقل کیا گیا ہے۔ مدیر]

نچلی ذاتوں سے تعلق رکھنے والے لاکھوں ہندوستانی اِس امید پر حلقۂ مسیحیّت میں داخل ہوئے تھے کہ نیا مذہب اختیار کرنے سے وہ اُس سماجی حقارت سے بچ جائیں گے جو ذات پات کے ہندوانہ نظام پر مبنی ہے، مگر یہ لوگ آج نہ صرف سماجی سطح پر بلکہ خود کیتھولک چرچ کے اندر بھی امتیازی سلوک کا شکار ہیں۔

گزشتہ ہفتوں میں دِلت (بہ معنی ستم رسیدہ) مسیحیوں نے موجودہ صورتِ حال میں تبدیلی کے لیے احتجاجی مظاہروں کا اہتمام کیا ہے۔ وہ مطالبہ کر رہے ہیں کہ اُنہیں شیڈولڈ ذاتوں کا درجہ دیا جائے۔ واضح رہے کہ اچھوت اور نچلی ذاتوں سے تعلق رکھنے والے لوگ جو صدیوں سے سماجی امتیاز کا شکار ہیں، اُنہیں دستوری طور پر بہت سے فوائد حاصل ہیں۔ ان فوائد میں سرکاری اداروں اور یونیورسٹیوں میں اُن کے لیے نشستوں کی تخصیص بھی شامل ہے۔ شیڈولڈ ذاتوں میں سکھ اور بدھ مت کے ماننے والے بعض طبقے بھی شامل ہیں، مگر کیتھولک مسیحیوں کو یہ درجہ حاصل نہیں، کیوں کہ کیتھولک مسیحیّت نظریاتی طور پر ذات پات کو تسلیم نہیں کرتی جب کہ دِلت مسیحیوں کے مطابق، عملاً یہ سب کچھ موجود ہے اور اسی صورتِ حال نے اُنہیں سیاسی اقدام پر مجبور کیا ہے۔

مشنری سکول، جو ہندوستان کے سکولوں اور کالجوں کا ۲۰ فیصد ہیں، دِلت مسیحیوں کے ساتھ اظہار یک جہتی کے لیے ایک دن بند رہے ہیں۔ کلکتہ کی غریب بستیوں میں کام کرنے کی عالمگیر شہرت رکھنے والی نوبل انعام یافتہ مدر ٹریصہ نے بھی ایک احتجاجی جلسے میں شرکت کی، مگر بعد ازاں یہ کہتے